جلد01شمارہ17، 2024

Article

Female Welfare & Christian Missions in Urdu Novel

اردو ناول میں نسوانی بہبود اور عیسائی مشن

Dr. Sumaira Umar*[1]

[1] Assistant Professor Urdu, Government Shalimar Graduate College Baghbanpura, Lahore

*Correspondence:

ڈاکٹر سمیرا عمر[1]

[1]اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ شالیمار گریجویٹ کالج، باغبانپورہ، لاہور

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:16-04-2024
Accepted:14-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: The status of women is usually determined through family, race, ethnicity, religious dogma and social conventions. Social status of women, even on a global scale took a period of several centuries resulting a desired social status of women in 19th century. The technological advancements and proliferation of global capitalism played a vital role to accelerate this change. Christian Missions took part in enhancing the status of Indian women. The story of these changes is documented in Urdu novel. A number of Urdu novels presented a theme of female vulnerability after she decided to leave the house and took part in different economic activities. The Christian missions took great interest in reforming female world and also provided shelters for the vulnerable females who were homeless or lost families due to some unavoidable circumstances. By closely reading the novelistic texts I argue that Christian Missions in colonial India were bringing social change for females through education and job creation. They were also, although at a small scale, bringing economic independence by enhancing different skills and also becoming the sanctuaries for homeless females.

Keywords: Female education, Christian missions, sanctuary, healthcare, British India, Womenhood, Cult of domesticity

.

ہندوستان میں مسیحیوں کی آمد کا سلسلہ پہلی صدی میں شروع ہوا سینٹ تھامس پہلے پہل جنوبی ہند میں وارد ہوے انھوں نے یہاں گرجا کی تعمیر کے ساتھ عسائیت کی تبلیغ کا آغاز کیا۔تاہم سینٹ تھامس کی تبلیغی سرگرمیاں جنوبی ہند تک محدود رہیں۔ پندرھویں صدی کے اختتام پر جنوبی ہند ہندوستان میں پرتگیزیوں کی آمد کے بعد تاجروں کے ساتھ عیسائی مشنریوں کی آمد کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا جلد ہی فرانسیسی، ڈچ، ولندیزی اور انگریزوں کے ہندوستان میں ورود کے ساتھ مشنریوں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ایسٹ انڈیا کمپنی اگرچہ سولہویں صدی میں ہندوستان میں وارد ہوئی، تاہم اپنے حریفوں کو شکست دینے اور اس ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کے بعد ہی کمپنی ہندوستانیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کی جانب متوجہ ہوئی۔ قریبا سو سال ہندوستانیوں کی تعلیمی منصوبہ بندی کمپنی کے اہداف میں شامل ہی نہیں تھی۔1698ء ایکٹ کے تحت کمپنی نے اپنے ملازمین کی ابتدائی تعلیم کا منصوبہ شروع کیا عام ہندوستانیوں کا اس منصوبے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کمپنی چاہتی تھی کہ ہندو یا مسلم حکمرانوں کے جاری کردہ ماڈل کے تحت ہی تعلیم منصوبہ شروع ہو مگر کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز جدید انگریزی ماڈل کے خواہاں تھے۔ ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے مسلے پر دوہرے تنازعات تھے۔اول کمپنی کے ڈائریکٹرز اور اعلی افسران کے مابین سیاسی بنیادوں پر اضطراب اور تناؤ موجود تھا دوم یہ کہ عیسائی پادری تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ہندوستان جانے کے خواہش مند تھے۔ کمپنی کے ڈائریکٹرز کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ ان کے زیر انتظام علاقوں میں تبدیلیٔ مذہب کے باعث مخالفت کا آغاز نہ ہو جاے یوں طویل عرصے تک ہندوستانیوں کی تعلیم کا منصوبہ التوا کا شکار رہا۔ بالآخر 1698ء کے ایکٹ کو کمپنی قبول کرنے پر مجبور ہو گئی اسے ہندوستانیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مشنریوں کے اخراجات کا وہ بوجھ بھی اٹھانا پڑا جو تعلیمی کاوشوں کی مد میں کیا جاتا تھا اس طرح نئے تعلیمی سلسلے کا آغاز ہوا جو 1813 تک قابل عمل رہا۔[1]

پہلے پہل عیسائی پادری تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ہندوستان تشریف لاے انھوں نے خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے مذہبی متون کو پڑھنا ضروری قرار دیا لہذا پروٹسٹنٹ طبقے نے مذہبی متون کو مقامی زبانوں میں نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھنا شروع کیا۔ ہندوستانی خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے میں مسیحیوں کو مردوں کی نسبت زیادہ مشکلات برداشت کرنا پڑیں کیوں کہ مردوں کی تعلیم کو بہتر ملازمت کے حصول سے جوڑ دیا گیا جب کہ خواتین کی تعلیم کا لائحہ عمل مختلف صورت حال کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا جانے لگا۔ خواتین کی تعلیم میں ایک بڑی رکاوٹ مرد پادری کا ہونا بھی تھا۔ ہندوستانی اپنی لڑکیوں کو مردوں کے پاس بھیجنے میں تامل کا شکار تھے۔اس لیے یورپیوں کو اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان میں خواتین مشنریوں کا پہنچا از حد ضروری ہے۔ عہد وکٹوریہ میں خواتین کی بڑی تعداد بطور استاد، ڈاکٹر اور نرس کے ہندوستان بھیجی گئیں۔[2]

مسیحیت کی تبلیغی وفلاحی سرگرمیوں میں ولیم کیری کے انگلستان سے کلکتہ ورود کے بعد زبردست اضافہ ہوا۔انھوں نے نہ صرف عام ہندوستانی بچوں کے لیے سکول کھولے بلکہ ستی جیسی مذموم رسم کے خاتمے کے لیے بھی مہم چلائی۔ انھی کی بدولت ہندوستان میں بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی(Baptist Mission Society) کا قیام عمل میں آیا۔

ہندوستان میں انگریزی نظام تعلیم کے تحت لڑکیوں کا پہلا سکول 1811ء میں ولیم کیری، مارش مین اور وارڈ نے کلکتہ میں قیام کیا۔لندن مشنری سوسائٹی کی روبرٹ نے ایک سال بعد لڑکیوں کا دوسرا سکول قائم کیا جب کہ 1819ء میں فیمیل جیونائل سوسائٹی کی جانب سے تیسرا سکول بھی قائم ہو گیا تو بہت سی انگریز خواتین تعلیم نسواں کو فروغ دینے کے لیے ہندوستان تشریف لائیں۔[3]

ہندوستان میں تعلیم کے لیے مسیحی کوششیں علاقائی، مذہبی اور سیاسی صورتحال کی مناسبت سے مختلف درجوں میں منقسم تھیں۔ایسے علاقے جو براہ راست کمپنی کے زیر تسلط آچکے تھے وہاں تعلیم کے لیے سکول کھولنے کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔

انیسویں صدی میں ہندوستانی مردوں کے مقابلے میں خواتین کا تعلیمی تناسب بے حد کم تھا جس کی ایک وجہ خواتین کی ملازمت نہ کرنے کا رواج بھی تھا۔ پھر بھی چند ایک سکول لڑکیوں کے لیے کھولے گئے۔لندن مشنری سوسائٹی اور چرچ مشنری سوسائٹی کی جانب سے کیرلہ میں متعدد گرلز سکول اور بورڈنگ سکول کھولے گئے۔علاوہ ازیں پروٹسٹنٹ مشنریوں کی جانب سے خواتین اساتذہ کا پہلا ٹریننگ سکول بھی اسی علاقے میں قائم کیا گیا۔پروٹسٹنٹ مشنریوں نے خواتین کی تعلیم کو زیادہ وسیع پیمانے پھیلانے کے لیے متنوع طریقہ ہائے کار استعمال کیے جس کا ایک مقصد مذہبی متون (Gospel) پڑھانا تھا جب کہ دوسرا مقامی ماحول کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں مہارتیں سکھانا تھا تاکہ سماج میں ان کے قدم مضبوطی جم سکیں۔

خواتین کی مخلوط تعلیم کی بجائے علیحدہ سکولوں کی تعمیر کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مقامی افراد نے لڑکیوں کو سکول بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔نوجوان لڑکیوں کا مرد اساتذہ سے پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔اس مقصد کے لیے الگ سے خواتین اساتذہ کو بھرتی کیا گیا۔

پروٹسٹنٹ مشنریوں نے وسیع پیمانے پر خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے کے اہداف کو پورا کرنے کے لیے مذہبی تعلیمات کو تمام سماجی گرہوں کے لیے عام کر دیا۔اعلیٰ طبقات کی خواتین کے لیے تعلیمی مواقع اور بہترین اختراعی سرگرمیاں ان کے مخصوص ثقافتی پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ترتیب دی گئیں۔ چوں کہ اس طبقے کا سماجی رتبہ پہلے ہی بلند تھا، اس لیے یہاں تبدیلی مذہب کی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ متبادل کے طور پر مشنریوں نے اپنی بھرپور توجہ غیر تعلیم یافتہ پسماندہ کثیر آبادی کی جانب منتقل کر دی اور مختلف سماجی سطحوں پر تبدیلیٔ مذہب کی ترغیبات دی گئیں۔

چرچ آف انگلینڈ زنانہ مشنری سوسائٹی کی جانب سے طبقہ امراء کی خواتین کے لیے سکول کھولا گیا جہاں ابتداً پندرہ خواتین تعلیم کی غرض سے داخل ہوئیں۔ علاوہ ازیں ہندو مسلم اشراف گھرانوں میں علیحدگی اور پردے کے مسائل کے سبب مشنری خواتین کی جانب سے مجلسوں کا اہتمام کیا گیا جنہیں "زنانہ مشن" کا نام دیا گیا تا کہ گھر گھر جا کر اعلیٰ طبقے کی خواتین کو پڑھنے پر آمادہ کیا جاسکے۔[4]

انیسویں صدی کے اوائل میں زنانہ مشن کے طریقہ کار کو ختم کر دیا گیا کیوں کہ سرکاری سطح پر اشرف خواتین کے لیے باضابطہ تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا۔تاہم دیہات اور طبقہ اجلاف میں مشنری سرگرمیاں نہ صرف جاری رہیں بلکہ ان پر اور زیادہ توجہ مرکوز کر دی گئی۔

جرمن evangelical مشنری اور ان کے پیروکاروں نے ہندوستان کی فرسودہ رسومات مثلاً کم سنی کی شادی، کثیر زوجگی، مقدس جسم فروشی، بیوگی کی نحوست اور ستی کی ظالمانہ رسومات کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا تاکہ خواتین کی مجموعی حالت کو بہتر بنایا جاسکے۔[5]

ہندوستان میں سماجی درجہ بندی اور طبقاتی نظام موجود تھا۔طبقہ اشراف جیسے برہمن، سید جب کہ طبقہ اجلاف میں شودر ،دلت اور لونڈیاں شامل تھیں۔ مشنریوں نے اس طبقاتی تفریق کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے فلاحی پروگرام ترتیب دیئے۔انھوں نے بھی دو سطحوں پر کام کیا اشرافیہ کے لیے الگ سے ہنر مندیاں اور تعلیمی کورس تشکیل دیا گیا اور طبقہ اجلاف کے لیے الگ، انھیں یسوع کی بھیڑوں میں شامل کرنے کیے مختلف ترغیبات دی جانے لگیں اور عیسائی بنانے کی مہم شروع کی۔ ہندوستان کا اجلاف طبقہ کسمپرسی کا شکار تھا۔ خاص طور پر نچلے درجے کی خواتین یا لونڈیاں تھیں جن پر جبر روا رکھا جاتا۔ انھیں مارا پیٹا جاتا بیچ دیا جاتا، تحفتاً دے دیا جاتا یا مندر کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا نچلی ذات کے ہندو مرد کسی طور سکول میں جانے لگے لیکن خواتین کے لیے یہ امکان بھی موجود نہیں تھا ایسی صورت میں جرمن مشنری ولیم نے 1809 میں وینکور سکول کی بنیاد کیرلہ میں رکھی جہاں بڑی تعداد میں نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے بچوں نے داخلہ لیا انھیں کی دیکھا دیکھی CMS نے بھی سکول کھولا جہاں بلا تفریق مذہب ،ذات اور جنس لکھنا پڑھنا، حساب سیکھنے کے علاوہ انگریزی زبان سکھائی جاتی۔ان سکولوں میں اساتذہ کو بطور خاص لڑکیوں کو سکول میں داخل کروانے پر وظائف دیئے جاتے تھے۔ ہر طالبہ کے بدلے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔ یہ سکول اپنے زمانے کے جدید ترین نصاب کے ساتھ اعلی تعلیمی اداروں کی صورت رونما ہوے جہاں ادنی طبقات کے بچے اور بچیاں یکساں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مسیحیوں نے متوسط اور نچلے طبقے کی خواتین کو دور وکٹوریہ کے عمومی نسائی تصور سے روشناس کرایا، جو Cult of domesticity یا Cult of womenhood تھا۔[6] خواتین کو تعلیم دی گئی کہ وہ اپنے گھروں کی محافظ اور شوہروں کی نہ

صرف رفیق ہیں بلکہ گھرداری میں بھی ان کی شریک ہیں۔ لہذا بہترین ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے زوجین کو باہمی محبت و احترام سے پیش آنا چاہیے۔

ہندوستان میں انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا نصف اول سیاسی، سماجی، معاشی، لسانی اور تعلیمی لحاظ سے بڑا ہنگامہ خیز رہا۔ اسی زمانے میں ہندوستانی عورت کے وجود پر چھائے بے علمی، کہنگی، فرسودگی اور بے رنگی کے بادل چھٹنے لگے، علم کی شمع نئی روشنی اور نئے امکانات لے کر وارد ہوئی۔ جابجا تعلیم نسواں اور آزادی نسواں کے چرچے ہونے لگے۔ سرکاری کالجوں اور اعلی تعلیمی اداروں کا قیام، کانفرنسوں اور تنظیموں کا آغاز، ادبی رسائل و جرائد کا اجراء ہوا۔ یہی ہنگامہ خیز دور اردو ناول کا ابتدائی دور ہے۔ فی الحقیقت ناول کی ابتدا ہی تعلیم نسواں کی بدولت خانگی زندگی میں ان کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہوئی۔

ناول اپنے عہد اور سماج کا عکاس ہوتا ہے۔ ابتدائی اردو ناولوں کا مقصد بھی وکٹوریہ عہد کے عمومی نسوانی تصور womanhood کو قبول عام بنانا تھا۔ انیسویں صدی کے ناولوں مراۃ العروس، مفید العورات، مجالس النساء، اصلاح النساء، چتر بھنیلی، آرسی مصحف، اچھی لڑکی اور فسانہ آزاد میں ایسی پڑھی لکھی گھریلو خواتین کو رول ماڈل بنا کر پیش کیا گیا جو وکٹوریائی عہد کے عمومی تصور عورت پر پورا اترتی ہیں۔

اردو ناول میں مشنری اور یورپی خواتین، ہندستانی خواتین کی زندگی کو سہل بنانے یا نئی طرز زندگی سے روشناس کرانے میں منہمک نظر آتی ہیں۔ اس دور کے اردو ناولوں میں یورپیوں کی جانب سے سماج بہبود کی پانچ صورتیں ملتی ہیں:

1: زنانہ مجلس　　2: مشنری ادارے　　3: نرس یا مڈوائف

4 : مشنری اساتذہ　　5: عیسائی خواتین

اردو کے فکشنی ادب میں اول اول داستان گوئی کا چرچا رہا۔ ان داستانوں میں راجا مہاراجا، بادشاہ یا شہزادوں کے قصے اور مہم جوئی کے واقعات بیان کیے گئے۔ عورت ان قصوں میں مرد کے ذیلی کے طور پر پیش کی گئی مہم جو کا دل چرانے یا لبھانے کے لیے نسوانی کرداروں کو گھڑا گیا۔ داستانوی دور کی ہیروئن ایسی شے کے دکھائی دیتی ہے جس کے حصول کے لیے شہزادہ مہم پر روانہ ہوتا ہے۔ ہیرو اور ہیروئن کا معاملہ فاتح اور مفتوح کا سا ہے۔ جب کہ اردو ناول کا آغاز وکٹوریائی عہد کے مقبول تصور cult of domesticity کو پھیلانے کی غرض سے ہوتا ہے۔

مراۃ العروس کی اصغری خانم انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں آنے والے تمام ناولوں کی پیش رو رول ماڈل خاتون ہے جو پڑھی لکھی، سگھڑ، کفایت شعار اور امور خانہ داری میں طاق ہے۔ خواتین کو باصلاحیت اور کفایت شعار بنانے کا جو منصوبہ نذیر احمد نے پیش کیا مشنری خواتین اس پر عرصہ دراز سے عمل پیرا تھیں۔ اور ہندوستانی خواتین کو خانہ داری کے امور اور ہنر سکھانا اپنا فرض

جانتی تھیں۔اصغری علاقے کی اشراف زادیوں کے لیے جو مدرسہ کھولتی ہے اسی مدرسہ کی طالبہ حلیمہ کے ذریعے یورپی خاتون خانہ کی طرز زندگی میں وکٹوریائی عہد کے womanhood کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔

ہندوستان میں مشنری خواتین کی آمد سے ہندوستانی خواتین کے سامنے تنہا، پارسائی کے ساتھ باعزت زندگی گزارنے کاایک نیاامکان بھی پیدا ہوا۔فسانہ آزاد کی ثریا جبیں کا جبری نکاح بوڑھے رئیس سے کر دیا جاتا ہے جس پر وہ باغی ہو گھر سے نکل کھڑی ہوتی ہے۔گھر سے باہر آکر اسے باعزت زندگی گزار ناد شوار ہو جاتا ہے۔وہ اپنی عصمت بچانے کی خاطر جابجا ٹھوکریں کھاتی ہے۔یہاں تک کہ اسے مشن میں پناہ ملتی ہے۔ مشن کے 80 سالہ معمر پادری اسے اپنی بیٹی بنا کر گھر لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں بیٹی میں نے تمہارا نام مس پالن رکھا۔اب تم انگریزی "پڑھنا شروع کر دو اور رومن تو ہم تم کو دو دن میں سکھادیں گے۔ [7]

مشن آکر ثریا جبیں کو معلوم ہوتا ہے کہ نن ایسی خواتین کو کہتے ہیں جو تاحیات کنواری اور باعصمت رہ کر خلق خدا کی بھلائی میں جتی رہتی ہیں۔ ثریا کی دلی خواہش ہے کہ وہ بھی مذہب تبدیل کیے بنا انھیں خواتین میں شامل ہو جائے۔ مگر وہ ایسا کر نہیں پاتی۔

سر دلبراں کی اغوا کی گئی بے یار و مدد گار کم سن بیوہ سندر سروپ بھی عصمت کی حفاظت چاہتی ہے۔اجنبی شہر کے دکان دار جوان تنہا لڑکی کو دیکھ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگتے ہیں تو ایک میم صاحب اسے مشن کی پناہ میں دے دیتی ہے۔پادری کی بیوی مس ایونس کو اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوتی ہے اور وہ اسے مشن اسکول میں داخل کرتے ہوئے کہتی ہیں "اب خداوند یسوع مسیح ان کے دل کو روشن کرنے کے لیے یہاں لے آیا ہے۔یہاں رہ کر کچھ پڑھ لکھ کر سمجھ دار ہو جائیں گی تو یقین ہے کہ اپنے سچے خدا کو پہچان لیں گی۔" [8]

سندر سروپ کو بلا امتیاز مذہب تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔اس کے ذریعے مشن سکول کے تعلیم و تربیت اور طریقہ تدریس کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو بے سہارا خواتین مشن کی پناہ میں آجاتی انھیں مختلف علوم و فنون سکھا کسی قابل بنایا جاتا اور تبدیلی مذہب کے بعد ان کی زندگی کو سوشیلائز کرنے کے لیے بہتر اقدامات بھی کرتا ہے۔ مثلاً ناول میں رام دئی اور ذکیہ دونوں کم سنی کی بیوگی سے عاجز آکر مشن میں پناہ گزین ہوتی ہیں۔ مشن کی جانب نہ صرف انھیں تعلیم یافتہ بنایا جاتا ہے بلکہ سینے پرونے کی فن کاری بھی سکھائی جاتی ہے۔اس پر بس نہیں ان لڑکیوں کے لیے پڑھے لکھے نوکری پیشہ نوجوان لڑکوں سے ان کی دوسری شادی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے تاکہ وہ عمومی انداز میں اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ناول کا ایک کردار مس پاربتی اسی بات کا ثبوت ہے جو مشن کی مہتمم ہے۔ تبدیلی مذہب کے بعد خوش و خرم اپنی زندگی بسر کر رہی ہے۔

کنیز فاطمہ کی کنیز بھی حالات کی ماری ہے اور تنہا باعصمت زندگی بسر کرنے کی خواہاں ہے مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا یہاں تک کہ ایک پادری صاحب اسے زنانہ مشن سکول کی پرنسپل مس فیلن کے سپرد کر دیتے ہیں جو نہایت شفقت وعنایت سے حال دریافت کرتی ہیں پھر سرسری سا امتحان لے کر اسے تشفی دیتی ہیں۔ وہ اسی وقت اسے اپنے مشن اسکول میں بھرتی کر لیتی ہیں ۔کھانا کپڑا مشن سے مقرر کر ہو جاتا ہے۔اور زنانہ بورڈنگ ہاؤس میں رہنے کو جگہ مل جاتی ہے۔[9] مشنری خواتین کی ایک شہر سے دوسرے شہر آزادانہ نقل وحمل، تنہا، آزاد اور باعصمت زندگی گزارنے کی خواہش مند ہندوستانی خواتین کے دل میں یہ خواہش پیدا کرتی کہ وہ بھی انھیں کی طرح اپنی مرضی کی زندگی بسر کر سکیں۔

اس زمانے میں نسوانی پارسائی کا تصور اس قدر حاوی ہے کہ ایک طوائف زادی جواہر کی زبانی اس خواہش کا اظہار عقدِ جواھر میں ہوتا ہے۔ جواہر اپنی ماں کی سی پیشہ ور زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ وہ اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے ایک سے دوسرے شہر میں سفر کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ریلوے اسٹیشن پر اسے کچھ مشنری خواتین دکھائی دیتی ہیں۔ انھیں یوں بے پردہ آزادی سے کھڑے دیکھ کر متحیر ہوتی ہے۔ جواہر کی ملازمہ اسے بتاتی ہے کہ انگریز عورتیں دور دراز کا سفر اکیلی کر لیتی ہیں۔ ہنسی خوشی فقط سیر کرنے جاتی ہیں اور ان کے نام کو داغ نہیں لگتا۔ جواہر حیرت سے پوچھتی ہے: "کیا اکیلی سفر کرتی ہیں؟ نہیں مجھے یقین نہیں آتا ۔ہاں کوئی میری طرح آفت کی ماری ہو تو اور بات ہے۔۔۔ سچ مچ بڑا کام کرتی ہیں۔"[10]

ثریا کا مرکزی کردار پڑھا لکھا ہے مگر پسند کی شادی کے باعث خاندان سے یہاں تک کہ خاوند کیوان قدر سے بھی کٹ چکا ہے۔ ثریا پشاور مشن سکول میں پناہ گزین ہے وہ اپنے عزیز قمرالزمان کو بتاتی ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی مشغلہ چاہیے تھا ۔یہاں کے زنانہ مشن ہائی اسکول میں ٹیچری کر لی ہے۔۔۔ چند ہفتے تو اسکول میں رہی اب علیحدہ کوٹھی میں اٹھ آئی ہوں اسکول کی ہیڈ مسٹریس مس جیکسن صاحبہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔[11] مسٹر قمر کی بے جا مداخلت کے باعث ثریا مشن چھوڑ کر مس برنٹ کے پاس شملہ چلی جاتی ہے جہاں وہ مس برنٹ سے نرسنگ سیکھتی ہے اور انھیں کے توسط سے دو سو روپیہ ماہوار پر اپنے شوہر مسٹر کیوان قدر کے ہاں مس جولیا کا بھیس بدل کر بطور نرس نوکری کرتی ہے۔

یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا تمام ناولوں میں مرکزی کردار اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتے۔ مشنری متہم اس بات کے خواہش مند تو رہتے ہیں مگر ان پر مشن کی جانب سے دباؤ نہیں ڈالا جاتا بلکہ تبدیلی مذہب کو آسمانی توفیق قرار دے کر ان بے سہارا خواتین کی سچی خیر خواہی کی جاتی ہے۔

فسانہ خورشیدی میں مس ٹامس وہ قابل خاتون ہیں جو اٹھارہ زبانوں سے واقف ہیں اور چالیس برس سے ہندوستانی بچوں کی بلا معاوضہ تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں۔ مس ٹامس نواب محتشم الدولہ کی بیٹی اور یتیم بھتیجی مشتری بیگم کو پردے میں رہ

کر تعلیم دینے کے لیے صبح و شام تشریف لاتی ہیں۔ اردو اور فارسی کی بنیادی تعلیم کے بعد وہ انھیں سیونگ مشین پر کپڑے سینا، ولایتی چولہے پر ولایتی اور روایتی کھانے پکانا اور ڈرائنگ کرنا سکھاتی ہیں۔ لڑکیاں سیکھنے پرونے کا جو بھی کام نمونے کے طور پر کرتیں وہ انھیں جمع کرتی ہیں جب اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے تو ایک انگریزی دکان پر فروخت کرنے کو بھیجتی ہیں اور ہزار روپیہ بچیوں کی محنت کی کمائی کا لاکر نواب صاحب کے ہاتھ پر رکھتی ہیں۔ مس ٹامس کا یہ عمل ہندوستان کی نئی سماجی اور ثقافتی زندگی میں خواتین کے لیے ایک نئے معاشی امکان کی جانب اشارہ ہے کہ خواتین نئے فیشن اور جدید تزئین و آرائش کے ہنر سیکھ کر معاشی خود مختاری حاصل کر سکتی ہیں۔

مس ٹامس اپنی ژرف نگاہی سے جان لیتی ہیں کہ خورشیدی میں ڈرائنگ کی غیر معمولی صلاحیت ہے وہ اس کے بنائے ہوئے بہترین نقشے ایگزیبیشن کے لیے بھیجتی ہیں دو ہزار فن پاروں میں سے اولین انعام کی مستحق خورشیدی بیگم قرار پاتی ہیں علاقے بھر میں اس قابلیت کی دھوم مچ جاتی ہے۔

مشنری خواتین ہندوستان کے قدیم رسم و رواج سے بھی آشنا ہیں اور مذہبی حدود و قیود بھی گہری نظر رکھتی ہیں۔ مس ٹامس جانتی ہیں کہ ہندوستانی، بیواؤں کے نکاح ثانی کے خلاف ہیں جب کہ مذہب پسند کی شادی اور بیوہ کے نکاح ثانی کی اجازت دیتا ہے۔ وہ نواب صاحب سے کہتی ہیں

> "اس لڑکی کو جو سن طفولیت میں بیوہ ہو گئی برابر بن بیاہی رکھئے گا اس سے بڑا گناہ آپ کو ہو گا۔ آپ چھوٹی بیگم کی نسل بالکل قطع کر ڈالیے گا۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مشتری بیگم کا نہیں بیاہنا ویسا ہی ہے جیسا کسی خاندان کے خاندان کو قتل کر ڈالنا۔۔۔۔ آخر آپ دیکھئے آپ کی شرع میں کس قدر اس بارے میں تاکید ہے۔"[12]

مس ٹامس اپنی شاگردوں کی حسب دل خواہ شادی کروا کر ہی دم لیتی ہیں۔

بیاض سحر کی زہرہ شادی کے معاملے میں دھوکہ دہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کا لالچی شوہر ایک ماہ کی بیاہتا کے زیورات اڑا کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ زہرہ واپس والدین کے گھر آجاتی ہے۔ وہ اپنی استانی مس ایلن سے ملتی ہے۔ مس ایلن کو اپنی لائق فائق طالبہ کی زندگی برباد ہونے کا افسوس ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ بیوہ، مطلقہ اور میکے بیٹھ جانے والی مجبور اور بے بس خواتین کی ہندوستانی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان کی عزیز طالبہ کسی کی دست نگر نہ ہو۔ اسی لیے وہ اسے تعلیم جاری رکھنے اور محنت کرنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ وہ اپنے کالج میں زہرہ کو میوزک ٹیچر بھرتی کرواتی ہیں اور اس کے ساتھ سلائی کڑھائی کے کام کی نگرانی بھی اس کے سپرد کرتے ہوئے کہتی ہیں: "کل سے آپ آئیں گی، حاضری لگے گی اور آپ بھی حاضری لگائیں گی۔ آپ شاگرد بھی ہو جائیے گا اور استاد بھی، (ہنس کر) کھوب صورت بات ہے نا"؟ [13]

وہ اشراف ہندوستانی گھرانے جن کے پڑھے لکھے نوجوان انگلستان مزید تعلیم کے لیے جانے کے خواہشمند ہوتے مروجہ رسم کے مطابق ان کو نکاح یا منسوب کر کے پابہ زنجیر کیا جاتا تاکہ تعلیمی مراحل سے فراغت پاتے ہی وہ وطن لوٹ سکیں اور کسی یورپی خاتون سے رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہو پائیں۔ایسی خواتین جن کے منکوح یا منسوب یورپ جاتے ،ان خواتین کو اپنے مستقبل کے بارے میں خدشات لاحق ہوتے تھے۔ان کی خواہش ہوتی کہ وہ اپنے ولایت پلٹ خاوندوں کے معیار پر پوری اتر سکیں۔اس دبدھا کا ایک حل مشنری/ یورپی خواتین کے پاس تھا جو بلا معاوضہ ہندوستانی خواتین کو جدید طرز زندگی سے روشناس کرانے میں پیش پیش تھیں۔

مس عنبرین کا ایک ضمنی قصہ اسی صورت حال کو واضح کرتا ہے انوری بیگم کا منگیتر بغرض اعلی تعلیم ولایت روانہ ہوتا ہے جہاں وہ یورپی خاتون کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ادھر انوری بیگم کا گھر والوں سے مسلسل اصرار ہے کہ اسے پڑھنے کی اجازت دی جاے تاکہ وہ اپنے سسرالیوں کی توقعات پر پوری اتر سکے بلآخر انوری کو مشن سکول میں داخل کرایا جاتا ہے جہاں کی شفیق مس لارنس سے خاصی انسیت ہو جاتی ہے اور وہ انھیں مستقبل کے پیش آمدہ حالات کے بارے آگاہ کرتی ہے۔مس لورنس تیرہ سال لڑکی کی لگن سے متاثر ہوتی ہیں وہ مشن کی دیگر اساتذہ کو انوری کی تعلیم پر زیادہ توجہ صرف کرنے کی سفارش کے ساتھ ساتھ ہفتے میں تین مرتبہ اس کے گھر آکر پڑھانے کا اہتمام بھی کرتی ہیں یوں چھ ماہ کی قلیل مدت میں "مس لارینس کی شفقت اور سچی ہمدردی کی وجہ سے پہننے،اوڑھنے اور نشست و برخاست وغیرہ میں میم بننے کی راہ پر پڑ گئی۔"[14] یہی نہیں مس لارینس اس کے غیر روایتی جہیز کی تیاری میں بھی معاونت فراہم کرتی ہیں غیر ضروری اشیا کی بجاے جدید طرز کے برتن مثلاٹی سیٹ،ڈنر سیٹ،آرایشی سامان اور ملبوسات خاص اپنی نگرانی میں تیار کرواتی ہیں۔مس لارینس یہ جان جاتی ہیں کہ انوری بیگم جس کی زندگی پر لطف بنانے کے لیے جو کھم میں پڑی ہے وہ ان کی ہم جولی کالنز سے شادی کا وعدہ کر چکا ہے۔ایسی صورت میں وہ اپنی سہیلی کو شادی سے باز رکھنے کے ساتھ انوری کی تصویر انگلستان بھجوانے کا انتظام کرتی ہیں یوں اپنی دانشمندی سے وہ نہ صرف اپنی عزیز سہیلی کو فریب دہی سے بچاتی ہیں بلکہ اپنی عزیز شاگردہ کی زندگی کو پر لطف زندگی بسر کرنے کے تمام گر سکھا کر اس کا گھر بسانے کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ مثال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشن کی استانیاں اپنی شاگردوں سے محض رسمی تعلق نہ رکھتی تھیں بلکہ اپنی ذاتی دلچسپی سے ہر ممکن حد تک طالبات کا ساتھ نبھاتی تھیں۔

اردو ناولوں کو پڑھنے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے ایسی مشنری لیڈی ڈاکٹرز جو صحت اور اس سے جڑے مسائل کا حل تجویز کرنے کے لیے ہندوستان بلائیں گئیں تھی انھوں خود کو محض ایک شعبے تک محدود نہ رکھا۔وہ اپنی پیشہ ورانہ زمہ داریاں نبھانے کے ساتھ ہندوستانی خواتین کو جدید طرز زندگی سے روشناس کرانے میں مصروف رہتی تھیں۔جونہی انھیں فراغت کے

لمحات میسر آتے وہ ہندستانی خواتین کو مفید ہنر مندیاں سکھانے اور تعمیری سرگرمیوں میں مشغول رکھنے میں وقت گزارتیں۔ مشنری لیڈی ڈاکٹرز بھی مشنری اساتذہ کی طرح زنانہ مجلسوں کا اہتمام کرتیں۔ جن گھروں تک ان کی ایک بار رسائی ہو جاتی، ان میں بے تکلف آنا جانا ان کا معمول بن جاتا، وہ پردہ نشین خواتین کو کاہلی اور سستی چھوڑ کر مفید انداز میں وقت صرف کرنے کے طریقے بھی بتاتی تھیں ان کی صحبت ہندوستانی پردہ نشین خواتین پر مثبت اثرات مرتب کرتی۔ مثلاً ایامی کے مرکزی کردار آزادی کا گرنے کے باعث کولھا اتر جاتا ہے رات کا وقت ہے اور آزادی کنواری ہے ایسی صورت میں محلے کے ہڈی پسلی جوڑ قصائی، نائی دھوبی کے بجائے پادری صاحب کی میم کو بلایا جاتا ہے جو جھٹ پٹ آزادی کا کولہا چڑھا کر پٹی باندھ دیتی ہے ساتھ ہی صبح سویرے اپنی بیٹی مس میری کو دوا دینے اور کس کر پٹی باندھنے کے لیے بھیجنے کا کہہ جاتی ہے۔

مس میری نہ صرف آزادی کی دل جمعی سے تیمارداری کرتی ہے بلکہ اسے مغربی رسوم و رواج اور عیسائی طور طریقوں سے بھی متعارف کرواتی ہے۔ وہ اسے ناول پڑھ کر سناتی، بڑے بڑے البم لا کر دکھاتی، اپنے ہاتھ سے کھینچی تصویریں دکھاتی ایک دن آزادی کو بہت سا سامان لائی جس میں گلوبند، موزے، دستانے، میز پوش، غلاف، کنارے، زیر انداز اس قسم کی چیزیں تھیں اس کے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی، بنائی ہوئی، کاڑھی ہوئی۔[15] آزادی کے صحت یاب ہوتے ہی مس میری تو سسرال سدھار گئی مگر آزادی کی کایا کلپ کر گئی۔

کامنی کی مس بیلی پیدائشی امریکن ہے مگر دو سال کی عمر میں ہندوستان لائی گئی۔ لندن سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی مگر ڈاکٹر کا خطاب امریکہ سے پاتی ہے۔ فرانس، اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ میں بھی اپنی خدمات پیش کر کے بالآخر ہندوستان لوٹ آتی ہیں۔ اردو فارسی دونوں زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔ لکھنؤ اور گرد نواح کی زبانیں بھی مہارت سے بولنے پر قدرت رکھتی ہیں وہ خود اپنے بارے میں بتاتی ہیں: "وہ کون محل ہے جہاں میں نہیں گئی اور کون خاندان ہے جس میں میں نے علاج نہیں کیا اور وہ کون بہو بیٹیاں ہیں جس میں واقف نہیں اور جو مجھے جانتیں نہیں، رجواڑوں، تعلقہ داروں، زمین داروں میں جانے کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔"[16]

جس دن کامنی کی پیدائش ہوئی وہ اتفاقاً کامنی کے گھر میں موجود تھی۔ انھوں نے کامنی کے گھر والوں سے کہا کہ وہ اس بچی کو انگریزی اور اردو سکھائیں گی۔ مس بیلی نے اپنا قول خوب نبھایا۔ کچھ ہی مدت بعد ان کی محنت سے کامنی انگریزی خواں، فارسی داں، اردو میں دست گاہ کامل حساب کتاب میں طاق اسی سن ذی شعور و سلیقہ شعار اور سینے پرونے میں ہوشیار ہو گئی۔ مس بیلی نے مشن کی معزز اور آزمودہ کار مسوں کو تعینات کر دیا تھا، جراب بنانا بھی سکھایا تھا، کھانا بھی خوب پکا لیتی تھی۔ پیشے کے اعتبار سے

تومس بیلی ڈاکٹر تھیں مگر کامنی کو امور خانہ داری میں طاق کر کے اس قابل بنایا کہ پردہ نشین ہوتے ہوے کامنی نے مشن لیڈیوں کی زیر نگرانی انگریزی میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔

صفیہ بیگم کی صفیہ بچپن میں بیمار پڑی تو ہسپتال کی لیڈی ڈاکٹر کو علاج کے لیے بلایا گیا۔لیڈی ڈاکٹر اور صفیہ بیگم میں اس قدر باہمی موانست ہوئی کہ انھوں نے صفیہ کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ تصویر بنانے انگریزی کھانے پکانے کا بھی ہنر سکھایا، صفیہ کے انگریزی طرز کے کمرے میں آرائشی اشیاءاور سیونگ مشین کی موجودگی بھی اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ سلائی کڑھائی بھی ڈاکٹر صاحبہ کے مہربانی سے سیکھ رکھی ہے۔صفیہ کو تصاویر بنانے کے علاوہ بیماروں کے علاج معالجے کا بھی شوق ہے۔اس کے کمرے میں مختلف ادویات، تھرمامیٹر، پچکاریاں اور انگریزی اوزار بھی رکھے ہیں ڈاکٹر صاحبہ جراحی کرتے وقت صفیہ کو بھی اپنے ساتھ رکھتی اور جراحی کے رموز سکھاتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کی بدولت صفیہ بھی چھوٹے موٹے امراض کا علاج کرنے کے قابل ہو جاتی ہے ثث وہ محلے بھر کے مریضوں کا مفت علاج کرتی اور اگر کوئی مرض سمجھ نہ آئے تو ڈاکٹر صاحبہ کو اس کی کلی تفصیل بتا کر علاج کے طریقے اور دوا تجویز کروالیتی ہے۔ایک بار محلے دار نواب صاحب کی بیٹی دوران زچگی علیل ہوگئی صفیہ نے اس کا علاج کیا مریض کے شفا پاتے ہی پورا محلہ علاج کروانے کے لیے اس کے گھر کے پھیرے لینے لگا۔اب اس کا گھر چھوٹے سے ہسپتال کا نمونہ پیش کرتا ہے جہاں ہر وقت مریضوں کا ہجوم رہتا ہے ڈاکٹر صاحبہ دختر نواب صاحب کی بیماری اور علاج کی کلی تفصیل جاننے کے بعد اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوے کہتی ہیں :" ڈیئر صفیہ میں تم کو اور تمہارے ماں باپ کو مبارکباد دیتی ہوں کہ تم اب اچھی ہوشیار لیڈی ڈاکٹر بن گیا ہے۔تم سے بہتر تجویز میں خود اس مرض میں نہ کرنے سکتی۔تم بری لائق بن گیا۔"[17]

حشمت النساء کی مس پارکنسن بھی انھیں لیڈی ڈاکٹروں کی فہرست میں شامل ہے جنہیں پردہ نشین گھرانوں تک رسائی حاصل ہے دس گیارہ سالہ یتیم حشمت النساء درخت سے گر کر بازو تڑوا بیٹھتی ہے تو علاقے کے ہسپتال سے ڈاکٹر صاحب کو بلایا جاتا ہے۔مس پارکنسن انھیں کی ہمراہی میں حشمت کے گھر داخل ہوتی ہیں ڈاکٹر ہڈی جوڑ کر مریضہ کو میم صاحب کی زیر نگرانی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں مس پارکنسن ساری رات بچی کے سرہانے بیٹھی رہتی ہیں۔مس پارکنسن بہت تجربہ کار ڈاکٹر تھیں۔بیس برس سے اسی شہر میں بیگمات اور بچوں کے علاج معالجہ میں انھوں صرف کیے تھے۔امیر وغریب و متوسط درجے کے لوگوں کے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا کرتا اس لیے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جو ان کے نام سے واقف نہ ہو۔[18] مس پارکنسن کی خوش مزاجی، ہمدردی اور تیمارداری کی بدولت جب حشمت شفایاب ہو جاتی ہے تو اس والدہ خوشی میں میم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کو کپڑے، اشرفیاں اور پھول تحفتاً پیش کرتی ہے مگر وہ صرف پھولوں کے ہار قبول کرتے ہوے کہتے ہیں کہ اگر بچی کے والد حیات ہوتے تو باقی تحائف بھی خوشی سے قبول کر لیتے۔یوں بلا معاوضہ علاج کے ساتھ مس پارکنسن حشمت النساء کی تعلیم کا بیڑہ بھی

اٹھاتی ہیں وہ قریبی اسکول میں اس کا داخلہ کراوتی ہیں اور پھر بلاناغہ گھر آکر اسے اردو اور انگریزی پڑھاتی ہیں۔ وہ حشمت کی ہم عمر ملازمہ زادی الفت کو بھی توجہ اور محنت سے پڑھاتی ہیں جب دونوں پڑھنے لکھنے میں رواں ہو جاتی ہیں تو انھیں شال، موزے، گلوبند بننے کے ساتھ ساتھ ریشم کا کام بھی سکھانا شروع کر دیتی ہیں۔ان بچیوں کی ہنر مندی کو دیکھ گھر میں موجود "بڑھیوں کو بھی شوق ہوا۔اور حشمت کی ماں اور خالہ بھی مس پارکنسن سے ہاتھ کا کام سیکھنے لگیں۔[19] انھوں نے لڑکیوں کو کپڑے سینا اور کیک بنانا بھی سکھایا۔جب حشمت کچھ ہوشیار ہوئی تو اس نے مس پارکنسن کی طرح اپنے رشتے دار اور ملازمین کے بچوں کو گھر میں پڑھانا شروع کر دیا یوں میم صاحب کی بدولت پورا گھر زیور تعلیم سے آراستہ ہوا۔

زہرا بیگم کی زہرا بھی صفیہ بیگم کی مانند اشراف زادی اور پڑھنے لکھنے کی شوقین ہے اور مشن سکول کی طالبہ ہے۔اپنی کارکردگی کے باعث وہ اپنی استانیوں مس روز اور مس ایلن کی پسندیدہ شاگرد ہے زہرا کو بھی ان سے بے حد لگاؤ اور عقیدت ہے۔ زہرا جب پڑھنے لکھنے سے اکتا جاتی تو وقت گزاری کا کوئی مشغلہ اس کے ہاتھ نہ آتا ایک دن زہرہ نے اپنی فیملی ڈاکٹر مس نیلسن سے شکایت کی جن کا زہرا کے گھر بے تکلف آنا جانا ہے۔مس نیلسن نے زہرا کی بوریت کا حل بھی کتابوں سے تجویز کیا اور وقت گزاری کا مفید مشغلہ بھی دیا۔ انھوں نے اپنی طبابت کی کتابیں لا لا کر دیں جس کو پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ڈاکٹر کے کہنے پر دواؤں کی دو ایک الماریاں اور ان کا ایک چھوٹا بکس گھر پر رکھا۔پھر تو سارے محلے میں یہ مشہور ہو گیا کہ زہرا بیگم ڈاکٹر بھی ہیں ہر روز کئی کئی بچے عورتیں آنے لگیں۔زہرا کو شوق تھا ہی، ڈاکٹر کی مدد سے نسخے علاج بتایا کرتیں یوں رفتہ رفتہ انھیں بہت کچھ مشق ہو گئی لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اپنی شاگرد سے بڑی خوش تھیں۔[20]

وہ تمام عیسائی خواتین جن کا ہندوستان اشرافیہ میں آنا جانا تھا وہ تقریبات میں بھی مدعو کی جاتی تھیں ان تقریبات میں جو تحائف پیش کرتیں وہ بجائے خود ایک جدید اور مفید شے ہوتی۔مثلاً زہرا بیگم کے امتحان میں کامیابی پر تقریب کا اہتمام کیا گیا تو ہندستانی خواتین نے سونے کے زیورات اور قیمتی جوڑے دیئے جب کہ مس ایلن، مس نلسن، اور مس روز کی جانب سے سنہری ورقوں والی آئندہ سال کی لیٹس ڈائری، ہینڈ بیگ، رسٹ واچ، ڈریسنگ کیس۔ بطور تحائف پیش کئے گئے اور زہرا بیگم کو سب سے زیادہ پسند بھی یہی آئے۔اسی طرح ثروت آرا بیگم میں ثروت کی سالگرہ کے موقع پر ان کی استانی مس کلارک اور ان کی بھتیجیاں بھی مدعو ہیں۔ ثروت کی استانی مس کلارک نے اس کو عمر خیام کی رباعیات کا جرمنی ایڈیشن دیا تھا۔ایک یورپی سہیلی ڈاکٹر لارنس نے ڈاکٹری ضروری ادویہ کا بکس دیا تھا جس میں حسب ضرورت سب چیزیں تھیں۔[21]

ایسی خواتین جو ہندستانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی خاص ارادہ یا بڑا مقصد رکھتی تھیں بڑے پیمانے پر ان فلاحی امور کو چلانے میں بھی مشنری خواتین اپنی بے لوث خدمات پیش کرتی تھیں۔ مثلاً فسانہ آزاد میں مس میڈا اور کلیریسا دونوں

سیر کی عرض سے ہندوستان آئیں یہاں ہندوستانی خواتین کی تعلیمی صورت حال کو ناگفتہ بہ پا کر ان کے دل میں خواتین کی حالت سدھارنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے وہ دونوں تاحیات دوشیزہ رہنے کا عزم کرتی ہیں اور امریکن مشنری خواتین کے ساتھ ان کے گروہ میں رہنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہیں۔ مشن کی ناظمہ دونوں خواتین کی بہادری کے قصے اخبارات میں پڑھ چکی ہیں مگر پھر بھی ان کا امتحان لیتی ہیں اور پھر پوچھتی ہیں کہ وہ کس قسم کی شرکت کرنا چاہتی ہیں تو مس میڈا انھیں بتاتی ہے: "ہم اپنی بہنوں کو گمراہی اور ذلت کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ہماری دلی خواہش ہے کہ ان کو سیدھے دھڑے پر لائیں اور کوشش کریں کہ ان کے دلوں میں پڑھنے کا شوق خود بہ خود پیدا ہو۔[22] دونوں خواتین مشن میں رہ کر اردو اور ہندی سیکھتی ہیں پھر ہندستانی طرز معاشرت اختیار کرتی ہیں تاکہ خواتین سے مغائرت کم ہو سکے پھر وہ مشنری اساتذہ کے تعاون سے ایک مدرسی قائم کرتی ہیں جہاں مختلف زبانوں کے ساتھ حساب کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے اور سینے پرونے کا کام سکھایا جاتا ہے یہ دونوں خواتین خود بھی کتابیں تصنیف کرتی ہیں تھوڑے ہی عرصے محنت و مشقت سے سکول کو کالج کی سطح پر پہنچاتی ہیں دونوں اپنی لگن، پارسائی و نیک نامی کی بدولت ہندو مسلمان اور عیسائی تینوں فرقوں میں تکریم و قار حاصل کرتی ہیں۔

سرشار کے ہی کامنی میں مرکزی کردار کامنی بیوگی کی بے مقصد و بے مصرف زندگی کو کار آمد بنانا چاہتی ہے۔ وہ مشنری لیڈیوں کی تربیت یافتہ ہے وہ ذاتی دلچسپی سے پردہ دار ہندو خواتین کو لکھنا پڑھنا، حساب کتاب، تاریخ و جغرافیہ سکھاتی ہے۔ مس بیلی سے سیکھی گئی گھریلو ہنر مندیاں بھی سکھاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی رہائش گاہ کے قریب مسافروں کے لئے کنواں، سرآے، اور دھرم شالہ بنواتی ہے غریبوں کے لیے راشن اور طالب علموں کے لیے وظائف بھی مقرر کرتی ہے مگر ان سب کے باوجود وہ بڑے پیمانے پر فلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہنا چاہتی ہے وہ زنانہ مشن سرگرمیوں میں حصہ لے کر گھریلو خواتین کو اخلاقیات سکھانا چاہتی ہے اس سلسلے میں وہ امریکن مشن کی لیڈیوں سے خط کتابت کر کے اپنے خدمات پیش کرنے کا عندیہ دیتی ہے ۔ مشنری خواتین مس امرسن اور مس نوواد دونوں اس کے جذبے کو سراہتے ہوے کہتی ہیں: "آپ کے ساتھ ہونے سے اتنا ہو گا کہ ہندوستانی شریف زادیاں ہم سے عیسائی اور مس ہونے کے سبب سے ذرا بھڑکتی ہیں، ان کی بھڑک کم ہو جاے گی۔"[23]

مشنری خواتین کامنی موجودہ صورت حال سے آگاہ کرتے ہوے چیچک کے ٹیکے لگوانے کی ضرورت و اہمیت بتاتی ہیں وہ کامنی کو تعلیم کی بجاے صحت کے شعبے سے منسلک کرتی ہیں کامنی مشنری لیڈیوں کے ساتھ ساتھ گھر گھر، محلہ محلہ، گاؤں گاؤں چیچک کے ٹیکے لگوانے کی افادیت سے متعلق آگاہی پھیلانے کی مہم کا حصہ بنتی ہے جب دیکھتی ہے کہ لوگ کسی طور آمادہ نہیں ہوتے تو وہ فی بچی ایک روپیہ انعامی سکیم کا اعلان کر کے پنچ کوسی گاؤں میں ویکسین کی۔ مہم کو کامیاب بنا دیتی ہے۔ مشن کے لیڈیاں، پادری اور اردو و ہندی اخبارات کامنی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

زنانہ مشنری مجالس اور مقامی باپردہ خواتین کی مشنریوں کے ساتھ مل کر سماج سدھار پروگرام کی بابت اردو ناول خواتین کواِن سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوے دکھاتا ہے۔فسانہ آزاد میں استانی جی کا کردار پہلے انفرادی طور پر تعلیم نسواں کے لیے کوشاں تھا مگر امریکن مشنری سوسائٹی کے ساتھ ساتھ مس میڈا اور مس کلریسا سے ملنے کے بعد وہ سماجی طور پر زیادہ متحرک ہو جاتی ہیں اور گھر گھر جا کر خواتین کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہیں اسی طرح کامنی میں بھی کامنی چیچک کی بیماری کے خاتمے کے لیے امریکن مشنری کمیونٹی کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے اور علاقے میں چیچک سے آگاہی کے ساتھ ساتھ ویکسین لگوانے پر لوگوں کو آمادہ کرتی ہے۔صفیہ بیگم کی صفیہ اپنے محلے میں آنے والی مشنری خواتین کے ذریعے سے علاج کرنے کے طریقے سیکھتی ہے جب کہ زھرا بیگم کی زہرا اپنی مسیحی استانیوں اور فیملی ڈاکٹر سے گھریلو علاج کے نسخے سیکھتی ہے اور اپنے ارد گرد لوگوں کے صحت کے مسائل حل کرتی نظر آتی ہے۔

مشنری ادارے اردو ناول میں بے سہارا اور بے آسرا لوگوں کے لیے آخری پناہ گاہ طور پر بھی ظاہر ہوتے ہیں جہاں نہ صرف خواتین کی رہائش کا بندوست کیا جاتا ہے بلکہ ان کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے علاوٰہ ازیں انھیں ایسی ہنر مندیاں سکھائی جاتی ہیں جن کی بدولت وہ کسب معاش کر سکیں۔فسانہ آزاد میں اللہ رکھی بھٹیاری جب مشنری ادارے میں پناہ لیتی ہے تو پڑھ لکھ کر ثریا جبیں کے نام سے اپنی پہچان بناتی ہے شوہر کے خط کو ہر کس ناکس سے پڑھوانے پر مجبور اللہ رکھی جب مشنری ادارے میں پناہ گزین ہوتی ہے تو نہ صرف پڑھنا لکھنا سیکھ جاتی ہے بلکہ شعر و شاعری کا بھی عمدہ ذوق رکھتی ہے، وہ بطور شاعرہ اپنے کلام کے ذریعے سے شہر میں دھوم مچاتی ہے اور نواب صاحب کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔سر دلبراں کی سندری بھی عصمت کی حفاظت کے لیے مشنری ادارے میں قیام پذیر ہوتی ہے یہیں سے وہ ہندی پڑھنا لکھنا سیکھتی ہے اور اپنے والد کو خط لکھ کر اپنی مشکلات بیان کرتی ہے نام پتے کی نشان دہی کرنے کے ساتھ مدد کے لیے بلا لیتی ہے۔یوں وہ بہ حفاظت اپنے سرپرستوں تک پہنچ جاتی ہے۔کنیز فاطمہ کی کنیز بھی مشنری سکول سے وابستہ ہو کر بطور تھیٹر اداکارہ پورے ہندوستان میں اپنی لیاقت اور ہنر مندی اور اداکاری کے جوہر دکھا کر منفرد پہچان بناتی ہے۔ثریا کی ہیروئن کورٹ میرج کر لیتی ہے۔نواب کیوان قدر اس خفیہ شادی بعد ثریا کو چھوڑ کر انگلستان بغرض تعلیم چلا جاتا ہے۔ثریا تعلیم یافتہ ہے مگر بے سہارا ہے ایسی صورت میں وہ مشن سکول میں پناہی حاصل کرتی ہے۔

مشنری خواتین ڈاکٹرز، نرس یا مڈ وائف کے طور پر زچگی کی پیچیدگیوں کو اپنی پیشہ وارانہ قابلیت سے سمجھاتی ہیں ایسے وقت میں جب مقامی دائی عاجز آجاتی تو اس نازک صورتحال کو سنبھالنے کے لیے مڈ وائف پر انحصار کیا جاتا ہے۔یامر ئضہ کی بہترین

نگہداشت کے لیے یورپی نرسوں پر بھروسہ کیاجاتاہے۔ ایامٰی میں آزادی کی نگہداشت کے لیے مس میری تشریف لاتی ہیں جب کہ بیمار اختر النساء سسرال مس ڈورس کا سہارا پاکر یک گونہ اطمینان حاصل کرتی ہے۔

کامنی میں مس بیلی اور کایاپلٹ میں مس گراہم زچہ بچہ کی تکالیف کو دور کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ حشمت النساء میں مس پارکنسن بیس برس سے اعلی طبقات کی بیگمات اور بچوں کے علاج معالجے میں مصروف ہیں اس کے ساتھ ہی وہ سماجی خدمات بھی سرانجام دیتی ہیں وہ یتیم حشمت النساء کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کی بیوہ والدہ اور محلے والیوں کو سینے پرونے اور بننے کا کام بھی سکھاتی ہیں۔

حوالہ جات

1- Naik, Syed Nurllah and J.P. *The students' History of Education in India: 1800-1947* (Calcutta: Macmillan and Company Limited , 1956)

2- Spencer, Beth Bullock,. ""Ours is a Great Work": British Women Medical Missionaries in Twentieth-Century Colonial India" (PhD. Dissertation, Georgia State University. 2016), 31.

3۔ راحت ابرار، مسلم تعلیم نسواں کے سو سال: چلمن سے چاند تک (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2011)، 110۔

4- Chad M. Bauman, "Redeeming Indian "Christian" Womenhood? Missionaries, Dalits and Agency in Colonial India." *Journal of Feminist Studies in Religion* (Fall 2008):5-27.

5- Ibid

6- Ibid

7۔ رتن ناتھ سرشار، فسانہ آزاد، جلد سوم (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، 2002ء[1878-80ء])، 1329۔

8۔ مولوی سید احمد یاس لکھنوی، سرِ دلبراں، حصہ دوم (لاہور: مطبع خادم التعلیم، 1893ء)، 180۔

9۔ قاضی عزیز الدین، کنیز فاطمہ (آگرہ: ابوالاعلائی سٹیم پریس، 1929ء)، 123۔

10۔ شیخ احمد حسین خان مذاق، عقد الجواہر (لکھنؤ: قومی پریس، 1895)، 164۔

11۔ نذر سجاد حیدر، "ثریا" مشمولہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل (کلیات ناول)، مرتبہ قرۃ العین حیدر (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2004ء)، 61۔

12۔ نواب افضل الدین احمد، فسانۂ خورشیدی، حصہ اول (کلکتہ: اسٹار بک ڈپو، س۔ن۔[1886ء])، 63 ۔

13۔ د۔ب۔ سدید، بیاض سحر (لاہور: قومی کتب خانہ، س ن [1930ء])، 400۔

14۔ قاری سرفراز عزمی، مس عنبرین (دہلی: تمدن بک ڈپو، س ن [1930ء])، 50۔

15۔ نذیر احمد، ایامٰی (آگرہ: مطبع شمسی، س۔ن۔[1891])، 21 ۔

16۔ رتن ناتھ سرشار، کامنی (لکھنو: اصح المطابع، س ن [1894ء])، 4 ۔
17۔ محمدی بیگم، صفیہ بیگم (لاہور: گلزارِ محمدی سٹیم پریس، 1918)، 19۔
18۔ طیبہ بلگرامی، حشمت النسا بیگم (ش ن: م ن، س ن [1921])، 59۔
19۔ ایضاً، 65۔
20۔ عباسی بیگم، زہرا بیگم (لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1929)، 35۔
21۔ حمیدہ سلطانہ بیگم، ثروت آراء بیگم (دہلی: دیال پرنٹنگ پریس، 1942)، 37 ۔
22۔ رتن ناتھ سرشار، فسانہ آزاد، جلد چہارم، حصہ دوم (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، 2002ء [1878-80ء])، 1217 ۔
23۔ رتن ناتھ سرشار، کامنی، 317 ۔